جناب مولانا مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب دہلوی کے

شروع سے جون ۱۸۹۲ء تک کے

لکچروں کا مجموعہ

مرتبہ

محمد نذیر حسین تاجر کتب دہلی بازار دریبہ کلاں ۱۸۹۲

مطبع انصاری واقع دہلی میں زیور طبع پہن کر مقبول جہاں ہوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسلمانوں کی حالت تعلیم پر

جو جناب م ح نے محمڈن ایجوکیشنل کانگریس کے تیسرے سالانہ جلسے میں ۲۸ - دسمبر ۱۸۸۸ء کو بمقام لاہور دیا

یہ بندہائے مسدس مصنفہ جناب م ح جو انھوں نے اپنی تصنیف فسانۂ مبتلا سے اِس جلسے میں پڑھے

تمہید

لاہور میں مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کے لکچروں کا سلسلہ قائم ہوا۔ انکا یہ پہلا لکچر تھا
جسقدر اژدحام اس لکچر میں تھا ویسا سوا لاہور کے دوسری جگہ دیکھا بھی نہیں گیا اسی موقع پر ہز آنر
نواب لفٹننٹ گورنر بہادر پنجاب نے اپنے بچے وشایانے آنریبل سر سید احمد خاں
کے آگے بٹھائے تھے۔ تمام پنجاب کے قریب قریب کل نامور آدمی موجود تھے۔ اور خود لاہور پنجاب گورنمنٹ کا
سیٹ ہو نمیں کئی قسم کے کالج ہیں بہت دفتروں کے ہیڈ کوارٹر بھی ہیں اور وہاں ہر طرح کے مجامع کا
چرچا بھی بہت ہے۔ اس لکچر میں نے بہت سے آدمیوں کو کبھی ہنستے اور کبھی روتے دیکھا ہے اور اسی
لکچر نے پنجاب میں مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کا سکہ بٹھایا۔ اور وہ لکچر یہ ہے
غالباً آپ صاحبوں نے اسی حیثیت سے مجھکو جانا اور پہچانا ہوگا کہ آنریبل سر سید احمد خاں صاحب کے

فالورز[۱] میں بھی ہوں۔ اگر فالورز سے وہ لوگ مراد ہوں جو اس کانگریس میں شریک ہونے کے لیے اُنکے
ساتھ آئے بلکہ اگر وہ لوگ بھی مراد ہوں جو سر سید احمد خاں کو بڑا انلائٹنڈ[۲] بڑا عالی خیال بڑا آل اندیش بڑا
مدبر بڑا مستقل مزاج بڑا متحمل اور مسلمانوں کا بڑا بہت بڑا اور سچا خیر خواہ باور کرتے ہیں فانا اعلم واقدم
(تو میں سب سے اول اور سب سے آگے ہوں) لیکن اگر فالورز سے مراد ہوں بالتحقیقات اُنکے تمام خیالات کے تسلیم
کرنے والے اگرچہ وہ خیالات مذہبی ہی کیوں نہوں تو میں اس بھرے مجمع میں پکارکے کہتا ہوں انی بری
(میں بری ہوں) سر سید احمد خاں کی طلب کے علاوہ مجھکو اس کانگریس میں شریک ہونے کے لیے ایک
وجہ اور بھی داعی ہوئی کہ میرے نزدیک ایسے مجمع کے لیے تمام ہندوستان میں پنجاب سے اور تمام پنجاب
میں لاہور سے بہتر کوئی موقع نہیں ہو سکتا اسوقت کیا رعایا کیا سرکار سب کی نگہیں پنجاب کی طرف
مصروف ہیں اور جس زور سے ڈفنسیو[۳] (ملکی حدود کی حفاظت) کارروائیاں ہو رہی ہیں آپ سب صاحبوں کو معلوم
ہیں مگر تعلیم سے بڑھکر کوئی ڈفنس نہیں بشرطیکہ مناسب طور پر ہو۔ یونیورسٹیاں اور کالج تو بجائے
خود میں کہتا ہوں ہر ضلع بلکہ ہر تحصیلی اسکول ایک فورٹ آف اسٹرنگتھ (قلعہ مستحکم و استوار) ہے اگر اُس میں
تعلیم اچھی ہو۔ رعایا گورنمنٹ کی دولت ہے۔ اور اُنکی رضامندی گورنمنٹ کی قوت۔ رعایا اور گورنمنٹ کے
اغراض ایسے وابستہ ہو گئے ہیں کہ اگر رعایا گڈ (اچھی) رعایا ہو اور گورنمنٹ گڈ گورنمنٹ تو رعایا ہی گورنمنٹ ہے
اور گورنمنٹ ہی رعایا۔ مگر افسوس بڑے سخت افسوس کی بات ہے کہ ہمارے بد نصیب
ہندوستان کی رعایا اور گورنمنٹ میں وہ گاڑھا اتحاد نہیں ہے اور اُسکے ہونے میں ابھی بہت دیر معلوم ہوتی
ہے جسکا ہونا رعایا اور گورنمنٹ دونوں کے حق میں مفید بلکہ ضروری ہے ہرچند گورنمنٹ کو ہندوستان
میں حکومت کرتے ہوئے قرن ہو گئے۔ بھلا پھر کونسی چیز رعایا اور گورنمنٹ میں اتحاد کے پیدا ہونے کی
مانع ہے۔ کیا گورنمنٹ جابر اور سخت گیر ہے۔ توبہ توبہ ماں باپ سے بڑھکر شفیق۔ تو کیا رعایا سرکش ہے؟
نہیں نہیں۔ ایسی منقاد و اسقدر مطیع کہ ایک چرواہے کو بھیڑ بکری کے ریوڑ[۴] کا روکنا مشکل۔ اور ایک تنہا کانسٹبل
کو انبوہ رعایا کا سمجھانا آسان۔ پھر کسکا قصور ہے؟ رعایا کا۔ کیونکہ ان میں بیحد کثیر نا تعلیم یافتہ ہیں اور ان بدبختوں
کو گورنمنٹ کا منشا معلوم نہیں۔ گورنمنٹ کے پرنسپلز (اصول) سے آگہی نہیں۔ اب تک جیسی اُنھوں نے
دیکھے ہیں۔ ڈسپاٹک (شخصی خود مختار) حکومتیں ان کے ذہنوں میں متوارث[۵] طور پر یہ بات مرتکز ہو گئی ہے

---

۱ پیرو ۱۲ ۲ روشن ضمیر ۱۲ ۳ حفاظت۔ حمایت ۱۲ ۴ گلہ ۵ متوارث ۱۲

کہ سلطنت اسی واسطے موضوع ہوئی ہے کہ حاکم وقت کی آسایش کے لیے رعایا مصیبت اٹھاوے۔ رعایا کماوے۔ حاکم اڑاوے۔ رعایا اپنی استریوں کو سووے تاکہ بادشاہ کے نوکروں کے چاکروں کے بیگار لیا کو تحفہ ہو۔ رعایا جاڑے میں ٹھٹھرے تاکہ شاہی اصطبل کے ٹٹو کشمیری شالوں کی گردنیاں اوڑھیں پس اے ممبران ایجوکیشنل کانگرس میں آپ صاحبوں کو صمیم قلب سے مبارکباد دیتا ہوں ولیبلغ عنی الشاہد الغائب (جو شخص حاضر ہے میری طرف سے اسکو جو حاضر نہیں ہے یہ پیام پہونچاوے) کہ آپ صاحبوں نے زمانے کی رمز کو خوب سمجھا۔ کوئی شخص جسکو عقل سے ذرا سا بھی بہرہ ہے اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ تعلیم ہی رعایا ہندوستان کو شائستہ اور مہذب بنائے گی۔ تعلیم ہی ان کو دولت کی کیمیا سکھائے گی۔ تعلیم ہی انکی نظر میں برٹش گورنمنٹ کی قدر بڑھائے گی۔ تعلیم ہی انکو برٹش گورنمنٹ کی برکتوں سے متمتع ہونے کی حرص دلائے گی۔ تعلیم ہی بدگمان رعایا اور رکی ہوئی گورنمنٹ کے دلوں میں صفائی کرائے گی۔ اور جب وہ زمانہ آئیگا (خدا جانے ہم میں سے بھی کسی کو وہ دن دیکھنا نصیب ہوگا یا نہیں) کہ رعایا اور گورنمنٹ ایک جان و دو قالب ہونگی تو ہندوستان کو جنت نشان کہنا حکایت نفس الامری ہوگا۔ نہ ایشیائی شاعروں کا سا مبالغہ۔ اسوقت ہندوستان کی سلطنت پوری پوری مطمح سلطنت ہوگی بحکم کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ (رانگ کی ہوئی عمارت) بیرونی دشمنوں روس وغیرہ سے بیخطر اور اندرونی ڈسٹربنس (فسادات) مجامع ناروا و اشاعات سے فارغ ۔

تعلیم یعنی ہندوستانیوں کی تعلیم ایک ایسا مضمون ہے۔ جسپر سالہا سال سے غور کیا جارہا ہے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ یورپ میں بھی۔ میں نہیں سمجھتا کہ تعلیم کے متعلق میں کوئی نئی انوکھی بات کہہ سکونگا جو کسی کو نہ سوجھی ہو۔ یا جو کسی کی زبان یا کسی کے قلم سے نہ نکلی ہو۔ میں اسی کو اپنی بڑی کامیابی سمجھونگا کہ ان ہی مطالب کو نئے پیرایہ میں آپ صاحبوں کے روبرو پیش کرسکوں۔ میری مثال اس زمانے کے ایک شاعر کی سی ہے کہ بیچارہ کوئی نیا مضمون نہیں پاتا جسطرف ذہن کو دوڑاتا ہو دیکھتا ہے کہ وصل اور ہجر اور انتظار اور واسوخت اور سراپا اور بہار اور خزاں اور استخفاف مذہب و بزرگان دین کے ساتھ استہزا وغیرہ وغیرہ کوئی خیال نہیں جسمیں "اور اینڈ اوور اگین" (بار بار) سیکڑوں ہزاروں نے طبع آزمائی نہیں کی۔ ناچار ہار کر تنگ کر بندش پر قناعت کرتا ہے وہی ہر ایک کو نصیب نہیں جسطرح ایک کسان ہل جوتنے میں اپنے سست بیل کی کبھی دُم مروڑتا کبھی اسکو ٹکاری دیتا کبھی اسکے گدگدی

کرتا۔ اور کبھی ساز نشاط بجاتا اور آہ بھی چھیڑتا ہے۔ اسی طرح وہ لوگ جو مسلمانوں کی رفاہ کے درپے ہیں مسلمانوں کو کبھی ان کے بزرگوں کی شان و شوکت ان کی عظمت ان کی فتوحات ان کے ہر طرح کے کمالات یاد دلاتے کبھی مسلمانوں کی حالت موجودہ کی تباہی ان کی علمی اقوام عالم کے مقابلے میں ان کی بے وقعتی کا مرثیہ ان کو سناتے اور کبھی ان کو کاہلی اور تعصب پر ملامت کرتے اس غرض سے کہ مسلمانوں کی غیرت کو تازیانہ ہو۔ میں بھی یہی کچھ کروں گا۔ اور اس کے سوائے کر بھی کیا سکتا ہوں ۔

یہ بات مسلمات سے ہے کہ مسلمان فی زمان عروجہم (اپنے عروج کے زمانے میں) کسی قوم سے علم میں پیچھے نہیں رہے۔ وہ تحصیل علم پر اس قدر حریص تھے کہ جہاں سے اور جس مذہب سے جو کچھ ہاتھ لگا لے اُٹھے جس طرح مسلمانوں کی ملک گیری حیرت انگیز ہے کہ ایک ہی صدی میں تمام روئے زمین پر لمن الملک الیوم (آج کوئی اور بھی ہمارے سوائے ملک کا مالک ہے) ڈنکا بجا پھرے۔ اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ اُن کی علمی فتوحات محل استعجاب ہیں۔ شروع شروع میں بعض متعصبین نے انگریزی کی مثل "گیو دی ڈاگ اے بیڈ نیم اینڈ ورین کک ہم آؤٹ" (کتے پر پہلے کچھ الزام لگاؤ پھر اس کو لات مار کر باہر کرو) کے مطابق مسلمانوں پر بہتان بھی کی تھی کہ انھوں نے اپنے مذہب کے ضعف کی پردہ داری کے لیے علوم کو معدوم کرنا چاہا۔ مگر ایسے واقعات کس کے دبائے دبتے ہیں۔ آخر کار ہسٹری (تاریخ) پکار اٹھی کہ جھوٹ! اب تمام یورپ میں شاید ایک متنفس بھی اس سے انکار کرنے والا نہیں۔ کہ علم کی روشنی ان میں ابتدا مسلمانوں ہی نے پھیلائی۔ ایک منصف مزاج اور محقق انگریز کا یہ قول کسی آرٹیکل (مضمون) میں نظر پڑا تھا کہ مسلمانوں کی تعلیم میں کوشش کرنا حقیقت میں ان کے بزرگوں کا دیا ہوا قرضہ اتارنا ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ یہ فلیٹرنگ لینگوج (الفاظ مدح) پڑھ کر تھوڑی دیر کے لیے میں بھی شیخی میں آگیا تھا۔ مگر اسی وقت یہ شعر یاد آگیا ۔

ان الفتی من یقول ها انا ذا   لیس الفتی من یقول کان ابی

(مرد وہ ہے جو کہے میری ذات میں یہ ہنر ہے۔ وہ مرد نہیں ہے جو باپ پر فخر کرے) پھر تو وہ کامپلیمنٹری (تحسینی) الفاظ مجھ کو نشتر کی طرح چبھنے لگے۔ ہم اپنے علمائے متقدمین کو آج کل کے علما کے لحاظ سے اور بھی زیادہ وقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اُن وقتوں میں علم کچھ ایسی بہت بکار آمد چیز نہ تھی یونانی جو علم کے مقتدا تھے سب میں سر برآوردہ تھے ان کے سارے کمالات کا خلاصہ حکمت نظری دور کی احتمالات کی بھول بھلیاں میں بھٹکتے پھرے۔ پھرنے کو عقل انسانی کی معراج جانتے تھے ولا الاعتبارات